اہمیت دی گئی ہے۔ عیسائی دور کو بھی نمایاں مقام دیا گیا ہے (حوالہ: واشنگٹن پوسٹ، ڈان، ۱۱ جولائی)

امت مسلمہ آج اپنی بدنصیبی سے جن المیوں سے دوچار ہے' اس کی ایک جھلک تیونس کی اس خبر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ حصول آزادی کے بعد' حبیب بورقیبہ پیر تسمہ پا کی طرح ملک پر سوار رہا۔ مغرب کا نہایت محبوب حکمران تھا۔ ان کے مفادات پورے کرتا رہا۔ زین عابدین بن علی نے اس کا تختہ الٹ کر اقتدار سنبھالا تو کچھ امید ہوئی کہ شاید تیونس کے مسلمان عوام کو کچھ آزادی مل جائے۔ ۱۹۸۹ کے انتخابات میں اسلامی تحریک کے افراد کو آزاد حیثیت سے کھڑے ہونے کی اجازت دی گئی۔ انھیں ۱۵ فی صد ووٹ ملے لیکن یہ انتخابی قواعد کا اعجاز تھا کہ سیٹ ایک بھی نہیں ملی۔ لیکن اس کے بعد صدر بن علی نے انھیں کچلنے کے لیے جبر و استبداد کے ہتھیار آزمائے' ایک وقت میں ۸ ہزار لوگ جیلوں میں محبوس رہے۔ نہضۃ الاسلامیہ کے راشد غنوشی مسلسل جلاوطن ہیں۔ جو مظالم ہوئے' ان کا تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد محمد شرفی کو وزیر تعلیم بنا کر یہ کام سونپا گیا کہ تعلیمی اداروں میں اسلام کے حامیوں کی قوت کو توڑا جائے۔ اب ان وزیر صاحب نے اپنے پانچ سال کی محنت کے نتائج پیش کر دیے ہیں اور حکومت ان کی سفارشات پر عمل پیرا ہے۔

احیائے اسلام کی بڑھتی ہوئی لہروں کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمان حکمران ہر طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ مغرب اس میں ان کا ساتھی اور سرپرست ہے۔ مسلمان ملکوں کی ساری قوت ترقی و خوشحالی کی طرف قدم بڑھانے کے بجائے عوام اور حکمرانوں کی باہم چپقلش میں ضائع ہو رہی ہے۔

یہ حکمران تاریخ سے سبق سیکھنے کے لیے تیار نہیں اور اپنی قوموں کو ہلاکت اور غلامی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ آزادی کے بعد ہونا تو یہ تھا کہ نظام تعلیم کو مسلمانوں کی آرزوؤں اور امنگوں کے مطابق تشکیل دیا جاتا لیکن اب ۳۰' ۳۵ سال بعد' جو کچھ نمایشی اسلام نصابات میں آ سکا تھا' اسے بھی کھرچنے کے اقدامات' نئی نسلوں کو کشمکش کا شکار کر کے مفلوج کرنے کے علاوہ' کیا کردار انجام دیں گے۔ مسلمانوں کو اپنے گھروں میں دینی تعلیم کے زیادہ موثر انتظام کرنے ہوں گے۔ جب وسط ایشیا میں روس کا ستر سالہ استبداد' دین نہ مٹا سکا تو تیونس کے حکمران اپنا تختہ الٹنے سے قبل کیا کچھ کر لیں گے۔

بھارت: یکساں سول کوڈ کا مسئلہ

مسلم سجاد

بھارت کی سپریم کورٹ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا کہ ایک ہندو نے اسلام قبول کیا اور اپنی پہلی

ہندو بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کر لی تو اس شادی کی حیثیت کیا ہوگی؟ اس شادی کو ناجائز قرار دیتے ہوئے سپریم کورٹ نے حکومت سے سفارش کی کہ وہ تمام شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ بنائے اور اگست ۹۶ تک حلف نامے کے ذریعے عدالت کو آگاہ کرے کہ اس سلسلے میں کیا کچھ کیا گیا ہے۔ اس سفارش نے بھارت کے مسلمانوں کو ایک نئے مسئلے سے دوچار کر دیا ہے۔ بھارت کی سیکولر حکومت' طلاق نکاح اور وراثت کے قوانین کو جو انگریز کے دور غلامی میں بھی مسلمانوں کے لیے نافذ رہے' چھیڑ کر مسلمانوں کی شناخت مٹانے کی ناعاقبت اندیشانہ پالیسی اختیار کر رہی ہے۔ بھارتی دستور کی دفعہ ۴۴ میں یہ کہا گیا ہے کہ حکومت تمام شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ بنانے کی کوشش کرے گی۔ ۱۹۵۴ میں پنڈت نہرو نے پارلیمنٹ میں سول کوڈ منظور کروایا تو مسلمان اور عیسائی اس سے مستثنیٰ رکھے گئے تھے۔ مسلمانوں کا جب ہی سے یہ مطالبہ ہے کہ دستور سے یہ دفعہ حذف کی جائے۔ اب ۴۱ سال بعد سپریم کورٹ نے اسی کے حوالے سے مسلمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑا دی ہے۔

مسلمانوں کے تمام اخبارات و رسائل کے مضامین اور تنظیموں اور راہ نماؤں کے بیانات اس موضوع پر آرہے ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے کہا ہے کہ جب ملک آزاد ہوا تھا' ہمیں مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی تھی۔ یہ اس پر حملے اور شریعت میں دخل اندازی ہے (ماہنامہ اسلامک مومنٹ دہلی' جولائی ۹۵) دستور کی دفعہ ۲۹ اور ۳۰ کے تحت ہر مذہب کے ماننے والوں کو عقائد کی اور تبلیغ کی آزادی دی گئی ہے۔ یکساں سول کوڈ اس پر براہ راست حملہ ہوگا۔ کہا جا رہا ہے کہ اس سے قومی یک جہتی کا نصب العین حاصل ہوگا' سیکولرازم کی تکمیل ہوگی' اور جدید تقاضے پورے کیے جا سکیں گے جب کہ دراصل یہ خانہ جنگی کی دعوت ہوگی' اسلامی اقدار کی بیخ کنی ہوگی' مسلمان ذہنی انتشار کا شکار رہیں گے اور ملی تشخص پامال ہوگا۔

بھارت کے مسلمان اقلیت ہیں لیکن دنیا میں مسلمانوں کی تیسری بڑی آبادی ہیں۔ بھارت کی ۹۲ کروڑ آبادی میں ۱۵' ۱۶ کروڑ۔ بابری مسجد کی شہادت سے ان کے لیے ابتلا کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ دہشت گردی کا خصوصی قانون ٹاڈا (TADA) نافذ ہوا' جس کے تحت پولیس تحویل میں اعتراف کردہ جرائم پر سزا دی جا سکتی ہے۔ ستر ہزار سے زائد مسلم نوجوان تعذیب اور سزا کے ناقابل بیان مراحل سے گزرے۔ ندوۃ العلما پر پولیس کے چھاپے نے تمام مسلمانوں کو' خصوصاً دینی حلقوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

گذشتہ صوبائی انتخابات میں' راجستھان اور دہلی کے بعد اب گجرات اور مہاراشٹر میں بھی شیوسینا اور بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کی حکومت قائم ہوگئی ہے۔ اور مسلمانوں کو معلوم ہو رہا ہے

کہ اگر یہ پارٹیاں اقتدار میں ہوں، تو دستور کی دی گئی مذہبی آزادی کے تحفظ کا کیا مطلب رہ جاتا ہے۔

مہاراشٹر میں ۱۹۹۲ میں اقلیتی کمیشن قائم کیا گیا تھا۔ اس کا سوائے سفارش اور مشورے کے کوئی کردار نہیں، لیکن وزیر اعلیٰ نے یہ کمیشن بھی یہ کہہ کر ختم کر دیا ہے: یہ اقلیتوں کو قومی دھارے میں شامل کرنے کی طرف پہلا قدم ہے، اس طرح کے کمیشنوں سے اختلافات میں اضافہ ہوتا ہے۔ بمبئی میں ۲.. مساجد ہیں۔ آزادی کے بعد صرف ایک مسجد کا اضافہ ہوا ہے۔ ۳، ۴. مساجد ایسی ہیں جہاں جمعہ کے دن نمازی سڑکوں تک آجاتے ہیں۔ حکومت اس پر پابندی لگانا چاہتی ہے۔ جمعیت العلما کے ایک وفد کو وزیر اعلیٰ نے یقین دہانی کرائی کہ مساجد میں اضافی منزل کی تعمیر کی اجازت دی جائے گی لیکن بعد میں یہ تجویز مسترد کر دی گئی۔

۱۹۹۶ کے عام انتخابات قریب ہیں۔ سب پارٹیوں کی نظریں اس پر اور مسلمانوں کے ووٹوں پر ہیں۔ بی جے پی کے صدر آڈوانی نے اپنے کارکنوں سے کہا ہے کہ وہ اقلیتوں کے اندیشے، صرف بیانات سے نہیں بلکہ اپنے کام سے بھی دور کریں۔ اور شیو سینا کے بال ٹھاکرے کو بھی نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف بولنے میں احتیاط کریں۔ پارٹی کے اقلیتی شعبے کے سربراہ عارف بیگ نے تین "ت" کا منصوبہ بنایا ہے۔ تعلیم، تنظیم، تجارت۔ وہ مدرسوں میں انگریزی، ہندی اور حرفتی تعلیم رائج کرنے کے حامی ہیں۔

اپریل میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بھی ہوا۔ مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لیے ۱۵ نکاتی، ۲. نکاتی پروگرام بنائے جا رہے ہیں۔ لیکن ایک رائے یہ ہے کہ جب تک نرسمہا راؤ ہیں، کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ جب وہ آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ تھے تو انھوں نے ۱۹۷۱ کی جنگ میں ریڈیو پاکستان سننے والوں کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالنے کی بات کی تھی۔

بھارت کے مسلمان آزادی کے بعد ہی سے مسلسل آزمایشوں کا شکار رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات میں جان و مال اور عزت و آبرو لٹاتے رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنی شناخت محفوظ رکھنے کے لیے مسلسل سعی اور جدوجہد کی ہے۔ انھوں نے حوصلہ نہیں ہارا ہے۔ بلکہ حالات نے انھیں زیادہ پر عزم اور باعمل بنا دیا ہے۔ آنے والے انتخابات سے پہلے ان کے تمام گروہوں کو سوچ سمجھ کر کوئی ایسی مشترکہ حکمت عملی اپنانا چاہیے کہ جس سے مستقبل میں مسلمانوں کو مناسب تحفظ ملے، اور وہ بھارت کے مستقبل میں اپنا حقیقی کردار ادا کر سکیں۔